معانی القرآن للفرّا کی خصوصیّتیں

قسط نمبر ۲ ــــــــــــــ غلام مرتضیٰ آزاد

اعراب القرآن

اعراب القرآن درحقیقت نحوی بحث ہے۔ اس میں عربی زبان کے قواعد کی وضاحت کی جاتی ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ لفظ کے آخری حرف پر کون سی حرکت (زبر، زیر، پیش) ہو گی اور کیوں؟ جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں تفسیر کی املاء کراتے وقت الفرّاء کے سامنے یہی بنیادی مقصد تھا اور آئندہ مثالوں سے یہ واضح ہو جائے گا کہ قرآن مجید کے معانی و مطالب سمجھنے کے لئے عربی زبان کے قواعد سے پوری واقفیت کس قدر ضروری ہے۔

آیت پاک:

وکتبنا علیھم فیھآ ان النفس بالنفس والعین بالعین والسّن بالسّن والجروح قصاص۔

(المائدۃ: ۴۵) میں 'النفس' کو سبھی جانتے ہیں کہ منصوب ہے لیکن 'العین'، 'السن' اور 'الجروح' کو رفع و نصب دونوں کے ساتھ پڑھنا درست ہے۔ اس کی تشریح درج ذیل آیت میں آتی ہے۔

ان الّذین اٰمنوا والّذین ھادوا والصابئون والنصٰری۔ (المائدۃ: ۶۹) [1]

اس آیت میں 'الصابئون' کا لفظ خاص طور پر توجہ طلب ہے، بعض اچھے خاصے عربی دان 'الصابئون' کے اعراب کے متعلق حیران رہ جاتے ہیں۔ اب 'معانی القرآن' کے الفاظ میں اس کی توضیح ملاحظہ ہو۔ اس مقام پر الکسائی 'الفرّاء کے استاذ' نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ 'انّ' کا عمل چونکہ ضعیف ہے یعنی 'اسم' پر تو عمل کرتا ہے مگر 'خبر' کو نصب

---

(۱)۔ ہم نے 'معانی القرآن' کے تتبع میں ایک ہی مقام پر دونوں آیتوں کے اعراب کی بحث کی ہے۔ اس لئے کہ دونوں کے اعراب ایک ہی قاعدہ سے متعلق ہیں۔

نہیں دیتا، اس لئے اس کے اسم پر جو لفظ معطوف ہوگا۔ اس کو رفع ونصب دونوں کے ساتھ پڑھنا درست ہے۔ چنانچہ ضابئ بن حارث البرجمی کے اس شعر کو دونوں طرح پڑھا جاتا ہے:

فمن یک امسی بالمدینۃ رحلہ   فانی {وقیارٌ / وقیاراً} بہا لغریب

اسی طرح 'الصابئون' کو مرفوع بھی پڑھا جا سکتا ہے اور منصوب بھی۔

'العین'، 'السن' اور 'الجروح' کے اعراب میں بھی یہی قاعدہ ہوگا۔

الفراء نے اپنے استاد کے بتلائے ہوئے اس قاعدہ میں تھوڑی سی ترمیم بھی کی ہے کہ اگر انّ کا اسم لفظاً منصوب ہو (اس پر زبر واضح طور پر لکھی ہوئی ہو اور پڑھی جاتی ہو) تو اس کے عطف پر رفع پڑھنا اچھا نہیں جیسے انّ عبدَ اللّٰہ و زیدٌ قائمان پڑھنا مستحسن نہیں و زیداً قائمان پڑھنا بہتر ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کے بہت سے مقامات ہیں جہاں اسم انّ کے معطوف کو مرفوع ومنصوب دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

مثلاً آیت کریمہ

واذا قیل انّ وعد اللّٰہ حق والساعۃ لاریب فیہا (سورۃ الجاثیۃ: ۳۲) میں 'الساعۃ'۔

اور آیت کریمہ

ان الارض للّٰہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین (الاعراف ۱۲۸) میں 'العاقبۃ'۔

لیکن جب 'اسم ثانی' کے بعد 'خبر' نہ ہو وہاں صرف رفع ہی پڑھا جائے گا:

مثلاً آیت پاک

ان اللّٰہ بریٔ من المشرکین ورسولہ (سورۃ التوبۃ ۳) میں 'رسولہ'۔

اور آیت کریمہ

فان اللّٰہ مولاہ وجبریلُ وصالحُ المومنین (سورۃ التحریم ۴) میں 'جبریل' اور 'صالح'۔

۱۔ مبتدا سے قبل 'انّ' ہو تو مبتدا کو عربی قواعد کی اصطلاح میں 'انّ' کا 'اسم' کہتے ہیں۔
وہ جملہ اسمیہ جس کے شروع میں 'انّ' ہو اس جملہ کے مسند کو عربی قواعد کی اصطلاح میں 'انّ' کی خبر کہا جاتا ہے۔

وضاحتِ اعراب کی ایک اور مثال

یہ بحث فکر انگیز بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ آیت پاک

انّما حرم علیکم المیتۃ والدّم ولحم الخنزیر وما اھلّ بہ لغیر اللہ (البقرۃ: ۱۷۳) میں 'المیتۃ'، 'الدّم' اور 'لحم' کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں، جیسا کہ مشہور قرارات ہے اور مرفوع بھی۔ 'انما' کو اگر ایک حرف سمجھا جائے تو اس کے بعد واقع ہونے والا عامل بدستور اپنا عمل کرتا رہے گا۔

انما دخلت دارک (نصب) انما اعجبتنی دارک (رفع) انما ذھبت باخیک (جر)

اور اگر انّما کو الگ الگ دو حروف سمجھا جائے ایک 'انّ' اور دوسرا 'ما' تو اس وقت 'ما' بمعنی 'الذی' ہوگا اور اس صورت میں 'صلہ' کے بعد واقع ہونے والا اسم ہمیشہ مرفوع رہے گا۔

آیت پاک

انما صنعوا کیدُ ساحر (طٰہٰ: ۶۹) میں ما بمعنی الّذی واضح ہے اور انما اللہ الٰہ واحد (سورۃ النساء: ۱۷۱) اور انمآ انت نذیر (سورۃ ھود: ۱۲) میں 'انما' یقیناً ایک ہی حرف ہے۔ مگر آیت زیرِ بحث میں انّما کے متعلق دونوں احتمالات ممکن ہیں۔ انّما کو اکثر لغویین نے کلمۂ حصر قرار دیا ہے۔ جب انّما کو کلمۂ حصر سمجھا جائے تو آیت

'انما حرّم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر' کا لازمی طور پر یہ معنی ہوگا:

'یہی حرام کیا ہے تم پر مردہ اور لہو اور گوشت سور کا۔' (ترجمہ شاہ عبدالقادر ص۴۱)

'اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت حرام کیا ہے۔' (ترجمہ محمد علی ص۔۱۴۹)

پکتھال نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ لیکن اگر انّما کو دو الگ الگ حروف (جیسا کہ الفراء نے اس کی وضاحت کی ہے) قرار دیا جائے تو اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا:

بیشک وہ چیز جو حرام کی گئی ہے تم پر مردار اور خون اور لحم خنزیر ہے۔

لغات القرآن (مفردات القرآن)

اس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ زیرِ بحث لفظ کن کن معانی میں اور کون کون سے صلات کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ معانی القرآن میں اس موضوع پر زیادہ بحث نہیں کی گئی اور اس کی وجہ گزشتہ سطور میں آپ کے سامنے آچکی ہے، لیکن جس قدر بحث کی گئی ہے وہ مخصوص انداز کی بلند علمی بحث

ہے ،اس کی چند مثالیں آگے آئیں گی -اس مقام پر ہم ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں عربی زبان میں کسی لفظ کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے اس کا اصل مادہ جاننا نہایت ضروری ہے-اگر مادہ ٹھیک طور پر معلوم نہ ہوسکے تو مفہوم کچھ سے کچھ ہو جائے گا مثلاً آیت پاک

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی (الاحزاب: ۳۲) میں لفظ (قرن) کا مادہ بقول الفراء ق - ر - ر ہے یا و - ق - ر - تیسرا کوئی مادہ نہیں-

ایک مشہور مستشرق 'فلوگل' نے الفاظ قرآن کی فہرست بنائی ہے اس میں انھوں نے قرآن مجید کے بہت سے (تقریباً چالیس) الفاظ کے غلط مادے بتائے ہیں ان میں سے ایک لفظ 'قرن' بھی ہے اس کا مادہ انھوں نے ق - ر - ن بتایا ہے (ماخوذ از المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم محمد فواد عبدالباقی) ق - ر - ن - مادہ ہو (جس کا مطلب ہے ملانا) تو اس سے جمع مؤنث حاضر کا صیغۂ امر 'قرن' بن ہی نہیں سکتا -

حقیقۃ الالفاظ ومجازھا

اس میں لفظ کا حقیقی معنی بتانے کے بعد یہ بتایا جاتا ہے کہ اس لفظ میں کتنی وسعت اور لچک موجود ہے اور اسی حد تک سیاق وسباق کے لحاظ سے کون کون سے دوسرے معانی میں بھی استعمال ہو سکتا ہے -اس قسم کی بحثوں میں سے یہاں ایک مثال پیش کی جاتی ہے - دیگر امثلہ آگے آرہی ہیں -

آیت پاک

فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین (البقرۃ: ۱۶)

لفظی معنی ہے ان کی تجارت نے نفع نہ پایا -آپ کہہ سکتے ہیں کہ تجارت نہیں بلکہ تاجر نفع حاصل کرتا ہے -الفراء نے بتایا ہے کہ عربی زبان میں ایسی تراکیب بکثرت مستعمل ہیں (یہ عربی زبان کا روزمرہ ہے) اور 'تجارۃ' کو مجازی طور پر ربح کا فاعل بنا دیا جاتا ہے -چنانچہ عرب کہتے ہیں ؛

ربح بیعك وخسر بیعك - اسی طرح قرآن مجید میں ہے - فاذا عزم الامر (سورۃ محمد: ۲۱) یعنی پس جب معاملہ پختہ ہو جائے -

احتمال الاضمار

ہر زبان میں اساتذہ کے کلام کی عظمت کا دارومدار بر ہنر حرف نہ گفتن پر ہوتا ہے اگر کلام میں

فکر کو دعوت دینے والی گہرائی نہ ہو تو کلام بے جان ہو جاتا ہے، یہی صورت عربوں کے ہاں بھی فصاحت و بلاغت میں ملحوظ رہتی ہے اور قرآن مجید تو ادب عربی کا شاہکار ہے۔ الفراء نے اس مقام پر ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ اضمار اس جملے میں مستحسن ہے جس کا ابتدائی حصہ آخری حصہ پر دلالت کرتا ہو مثلاً آپ کہیں قد اصاب فلان المال، فبنی الدور والعبید والاماء واللباس الحسن۔ بنیٰ کا فعل 'دور' پر تو واقع ہوتا ہے عبید، اماء اور اللباس الحسن پر واقع نہیں ہوتا، لیکن چونکہ مال حاصل کرنے کے بعد بالعموم ان اشیاء کا حصول ہوتا ہے، اس لئے ان کے لئے الگ فعل 'فاشتری' کو حذف کر کے 'بنیٰ' کے تحت ہی داخل کر دیا۔ اس کی مثال قرآن مجید میں ہے۔

یطوف علیهم ولدان مخلّدون ہ باکواب واباریق ہ وکأس من معین ..... وفاکهة مما یتخیرون ولحم طیر مما یشتهون، وحور عین۔ (سورۃ الواقعہ : ۱۷ - ۲۲)

اس سلسلہ میں یہ شعر بطور شاہد پیش کیا جاتا ہے ؎

علفتها تبنا وماءً باردا   حتی شتت همّالةً عیناها

زیادۃ الکلمۃ

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک حرف بظاہر جملہ کے دیگر الفاظ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا مگر درحقیقت اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

ما منعك الّا تسجد اذ امرتك (سورۃ الاعراف: ۱۲) اس مقام پر 'لا' کو زائد کہا جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ 'لا' لکھا یا پڑھا ہی نہ جائے۔ الفراء نے اس مقام پر حسب ذیل قاعدہ بیان کیا ہے۔

جس جملہ کے اوّل میں جحد ہو اس کے فعل ثانی پر لا کا ہونا ضروری ہے، جیسے 'لئلّا یعلم اهل الکتاب الّا یقدرون علی شیئ' (سورۃ الحدید ۲۹) اور 'وما یشعرکم انها اذا جاءت لا یؤمنون' (سورۃ الانعام: ۱۰۹)

رسم الخط

رسم الخط پر الفراء نے سوائے 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' کے اور کہیں بحث نہیں کی۔ قاعدہ ہے کہ لکھنے میں لفظ 'اسم' کا ہمزہ حذف نہیں ہوتا۔ چنانچہ سوائے 'بسم اللہ' کے کسی مقام پر اسے حذف نہیں کیا گیا حتیٰ کہ 'اقرا باسم ربك الذی خلق' میں بھی حذف نہیں ہوا۔ اس مقام پر ہمزہ کے حذف

ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے اور کثرت کلام کی وجہ سے بہت سے الفاظ لکھنے میں اور بسا اوقات پڑھنے میں بھی حذف کر دیئے جاتے ہیں جیسے ائیُ شیئی کو اَیشٍ پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔ (معانی القرآن)۔

اُردو زبان میں بھی ایسے کئی الفاظ ہیں مثلاً شبِ براءت کو کثرتِ استعمال کی وجہ سے شبرات لکھا اور بولا جاتا ہے، زلفِ عنبر ریز کو زلفِ عنبریز لکھتے ہیں تاکہ اختصار رہے۔

شانِ نزول

قرآن مجید، جیساکہ سبھی جانتے ہیں تھوڑا تھوڑا (نجماً نجماً) نازل ہوتا رہا یعنی کسی خاص حالت میں جس حکم (ھدایت) کی ضرورت ہوتی، وحی الٰہی کے ذریعہ نازل کر دیا جاتا۔ شانِ نزول میں یہی بتایا جاتا ہے کہ فلاں آیت کس مقام پر نازل ہوئی۔ الفراء نے مختلف مقامات پر آیات کے شانِ نزول بیان کئے ہیں۔ مثلاً

فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیه ان یطّوف بهما (سورۃ البقرۃ : ۱۵۸)

ترجمہ: جو شخص حج یا عمرہ کرے اس کے لئے (صفا و مروہ) کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں،

کا شانِ نزول یوں بتایا ہے کہ جاہلیت میں 'صفا اور مروہ' پر دو بُت نصب تھے اس وقت لوگ ان کا طواف کرتے تھے جب بُت ٹوٹ چکے تو مسلمانوں نے ان مقامات پر جانا مناسب نہ سمجھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

یسئلونک عن الانفال (سورۃ الانفال: ۱)۔ ترجمہ۔ آپ سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

یہ آیت انفالِ جنگ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ اس وقت ہُوا جب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ جان بازوں کی تعداد کم اور جذبہ قدرے سرد ہے تو آپ نے اعلان فرمایا 'من قتل قتیلاً فله کذا ومن اسر اسیراً فله کذا'۔

جب جہاد سے فارغ ہو چکے تو سعد بن معاذ اُٹھے اور گزارش کی یا رسول اللہ اگر ان لوگوں کو آپ نے دے دیا تو بہت سے مسلمان بلا معاوضہ رہ جائیں گے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

آئندہ صفحات میں معانی القرآن سے چند آیات کی مزید تشریح و تفسیر پیش کی جاتی ہے جس سے الفراء کے اندازِ بیان اور تفسیر کی خصوصیات کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ (باقی صہ ۸۰ پر)